مولانا محمد طاہر پنج پیری کے درس قرآن کی خصوصیات کا تحقیقی مطالعہ

A Research Study of the features of Dars e Quran of Molana Muhammad TahirPanjpiri.

☆ریاض احمد[i] ☆☆ڈاکٹر عبدالحق[ii]

Abstract

Molana Muhammad TahirPanjpiri was born in Swabi in 1916.He followed the footsteps of Shah Ismail Shaheed to fight against the forbidden practices in Islam.To expound the teaching of Islam, he introduced a special and peculiar method.The teaching of Holy Quran (Dars e Quran) was a significant source for his preaching of Islam.

This article presents the main features of his Dars e Quran. After a thorough study these features have been bifurcated into three segments. The characteristics extractedfrom the religious literature of Shah Waliullah is the first kind. The second is closely associated with the Dars e Quran of MolanaUbaidullah Sindhi and MulanaHussain Ali.The third one is his self achievement for the collection of the above scholarsmethod with addition.

This study focuses the above mentioned features of Molana Muhammad Tahir. However, in the beginning of this research article historical background of Molana Muhammad Tahir'sDarse Quran is highlighted. Besides this, the administrative aspects of his Dars e Quran are also pinpointed. If the article about the works of Molana Muhammad Tahir is published this will be a useful addition in the treasure of knowledge about the literature focusing Tafseer e Quran.

Key Words:*Molana Muhammad Tahir, Dars e Quran, Features, Forbidden Practices, Characteristics, Tafseer e Quran.*

موضوع تحقیق کا تعارف

اس مقالہ میں مولانا محمد طاہر پنج پیری[1] کے درس قرآن کی چیدہ چیدہ خصوصیات بیان کی جائیں گی مگر چونکہ کے درسی منہج پر حضرت مولانا حسین علی صاحب اور مولانا عبید اللہ سندھی کے طرز تفسیر کے اثرات نمایاں طور پر نظر آتے ہیں، اس لئے مولانا پنج پیری صاحب کے درس کی خصوصیات سے پہلے ان دونوں بزرگوں کے درس قرآن کی خصوصیات بیان کی جائیں گی اور چونکہ ان دونوں کے درس پر حضرت شاہ ولی اللہ کے منہج قرآن فہمی کا اثر ہے، اس لئے اس کا مختصر خلاصہ بھی یہاں ذکر کیا جائے گا اور یہ حصہ مبحث اول قرار دیا جارہا ہے۔ دوسرے حصے میں مولانا پنج پیری صاحب کے دورہ تفسیر کی سرگزشت، داخلی اور خارجی خصوصیات کو زیر بحث لایا جائے گا اور اس کو مبحث ثانی کہا جائے گا۔

مبحث اول : برصغیر میں تفسیر کے چند مخصوص مناہج

پشاور یونیورسٹی سے ڈاکٹر محمد حبیب اللہ قاضی چترالی نے "برصغیر میں قرآن فہمی کا تنقیدی جائزہ" کے عنوان سے پی ایچ ڈی کا مقالہ لکھا ہے اور بعد میں

---

[i] پی-ایچ-ڈی سکالر، کلیہ عربی وعلوم اسلامیہ علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی اسلام آباد، ایسوسی ایٹ پروفیسر گورنمنٹ ڈگری کالج اوگی (مانسہرہ)

[ii] اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ علوم اسلامیہ شہید بینظیر بھٹو یونیورسٹی شرینگل اپر دیر۔

اس کو کتابی شکل دی ہوئی ہے، اس کتاب کے چوتھے باب میں انھوں نے برصغیر میں تفسیر کے مندرجہ ذیل پندرہ مناہج ذکر کئے ہیں۔
حضرت شاہ ولی اللہ مکتب فکر کا منہج تفسیر، مولانا حسین علی مکتب فکر کا منہج تفسیر، مولانا عبیداللہ سندھی کا منہج تفسیر، دیوبندی علماء کا منہج تفسیر، مولانا ابوالکلام آزاد کا منہج تفسیر، مولانا عبدالحق حقانی کا منہج تفسیر، مولانا حمید الدین فراہی کا منہج تفسیر، مولانا سید ابوالا علیٰ مودودی کا منہج تفسیر، مولانا وحید الدین خان کا منہج تفسیر، برصغیر میں اہل حدیث مکتب فکر کا منہج تفسیر، سرسید احمد خان کا منہج تفسیر، غلام احمد پرویز کا منہج تفسیر، غلام احمد قادیانی کا منہج تفسیر اور محمد علی لاہوری مرزائی گروپ کا منہج تفسیر[2]۔ان میں سے اول الذکر تین مناہج کا خلاصہ یہاں ذکر ہو گا۔

شاہ ولی اللہ کی خدمات تفسیر اور ان کا تفسیری منہج

قرآن فہمی کے حوالے سے شاہ صاحب کے دور میں کوئی خاطر خواہ رجحان نہیں تھا۔ لوگ قرآن مجید کا ترجمہ کرنے سے بھی کتراتے تھے بلکہ اس زمانے کے علماء اس کو جرم سمجھتے تھے۔ شاہ ولی اللہ نے لوگوں کو رجوع الی القرآن کی ایسی مؤثر دعوت دی کہ ہر طرف قرآنی علوم کی روشنیاں پھیلتی گئیں[3]۔

حضرت شاہ صاحب کی قرآن فہمی کے حوالے سے خدمات کا مختصر خلاصہ مولانا عبیداللہ سندھی کی "التمہید" سے پیش خدمت ہے۔ یہ خلاصہ "التمہید" کے اردو ترجمہ سے ماخوذ ہے جو کہ مفتی عبدالخالق آزاد نے کیا ہے۔ بین السطور میں ان کی اپنی تشریح بھی شامل ہے۔ اسے بھی یہاں نقل کیا گیا ہے۔
علم تفسیر کے حوالے سے آپ کی کتابیں چند نئے علوم وفنون پر مشتمل ہیں، مثلاً:

(الف): علوم خمسہ کی نشان دہی:

آپ نے قرآن حکیم کے (منطوق الفاظ کے) علوم خمسہ کا تعین کیا اور انھیں تفصیل سے بیان کیا ہے۔ (ان علوم کے نزول کے اسباب کا تذکرہ "حجۃ اللہ البالغۃ" اور "سطعات" میں بیان کیا ہے، جبکہ تفصیلی بحث "الفوز الکبیر" میں کی ہے۔

(ب) قرآنی حروف مقطعات کی تشریح

اسی طرح قرآن حکیم کی سورتوں کے شروع میں حروف مقطعات کی تشریح وتاویل بیان کی ہے (جس پر اختصار کے ساتھ "الخیر الکثیر" میں بحث کی ہے جبکہ "الفوز الکبیر" کے چوتھے باب کی آخری فصل میں اس علم کی تفصیل بیان کی ہے)۔

(ج) قرآن کے قصص انبیاء کی توضیح

نیز قرآن حکیم میں بیان کردہ انبیاء علیہم الصلاۃ والسلام کے قصص کی بہترین توجیہ وتاویل بیان کی ہے۔ انھوں نے اس حقیقت کی نشاندہی کی ہے کہ ہر نبی کی قابلیت اور اس کی قوم کی استعداد کے تناظر میں ان قصص وواقعات کی صحیح ترجمانی کیسے ممکن ہے۔ ہر دور میں کیسے اللہ علیم وقدیر کی حکمت نے انبیاء علیہم السلام کے ذریعے انسانیت کے لئے بہترین نظام قائم کیا ہے۔ اس سلسلے میں آپ کی بہترین تصنیف کا نام "تاویل الاحادیث" ہے۔

(د) قرآن حکیم کا فارسی ترجمہ

آپ کی تصنیفات میں سے فارسی زبان میں قرآن حکیم کا ایسا ترجمہ ہے جو بعینہ عربی زبان کی طرز پر ہے۔ اس کے جملوں کی مقدار اور اس کے لفظوں کی ساخت اور عمومیت وغیرہ عربی جملوں کی مقدار اور ساخت کے عین مطابق ہے۔ اس ترجمے کا نام انھوں نے "فتح الرحمٰن بترجمۃ القرآن" رکھا ہے۔ میں (عبیداللہ سندھی) کہتا ہوں کہ شاہ صاحب نے اس ترجمے کے حاشیے میں مشکل مقامات کی مختصر تفسیر اور فوائد بیان کئے ہیں اور بہت سے شبہات کا ازالہ کیا ہے۔ میری بات یہاں ختم ہو گئی۔

انہی کے انفاس قدسیہ سے فیض یاب ہوتے ہوئے اور انہی کے طرز اور نقش قدم پر چلتے ہوئے ان کے صاحبزادے شاہ عبد القادر دہلوی نے اردو زبان میں قرآن کا بہترین ترجمہ کیا ہے۔ اس طرح ان کے بعد لوگوں کے لئے ترجمہ کرنا آسان ہو گیا۔ اس حوالے سے ان کی اتباع کرنے والے لوگ ایک اہم رہنما کے طور پر سامنے آئے۔

(ہ) قرآنی ترجمہ نگاری کے اصول وضابطے

حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی سب سے پہلے فرد ہیں جنھوں نے قران حکیم کے ترجمے کے فن میں انتہائی مہارت حاصل کی اور (ایک رسالہ "المقدمۃ فی قوانین الترجمہ" میں) اس کے اصول وضوابط مرتب و مدون کئے ہیں۔ ان کے بیٹے شاہ رفیع الدین دہلوی نے ان اصول و قوانین ترجمہ کے چند جامع پہلو اپنی بعض مختصر کتابوں (تکمیل الاذھان) میں بہت عمدہ طریقے سے بیان کئے ہیں۔ میں (عبید اللہ سندھی) کہتا ہوں کہ شیخ عبد القادر دہلوی کے اردو ترجمے کے بعض الفاظ کا اردو محاورات میں استعمال ختم ہو چکا تھا، تو ہمارے استاذ حضرت شیخ الہند (مولانا محمود حسن) نے اس کی اصلاح اور درستگی کی۔ میری بات یہاں ختم ہو گئی۔

اس طرح علم تفسیر دوبارہ تر و تازہ ہو کر سامنے آیا اور اس علم کے اندر بڑی پختگی اور عمدگی پیدا ہو گئی جب کہ اس سے پہلے اس حوالے سے بڑی سستی اور کوتاہی پائی جاتی تھی[4]۔

اصول تفسیر کے تعین کے حوالے سے حضرت شاہ ولی اللہ کی خدمات کو مولانا سندھی نے یوں بیان کیا ہے:

"جہاں تک اصول تفسیر کا تعلق ہے تو اس سلسلے میں آپ کی کتاب "الفوز الکبیر فی اصول التفسیر" ہے۔ یہ کتاب بہت سے مفسرین کے لئے اس فن میں آپ کی مہارت پر شاہد عدل کی حیثیت رکھتی ہے۔ حق بات یہ ہے کہ شاہ صاحب فن تفسیر کی تحقیق و تدقیق میں ایک منفرد حیثیت رکھتے ہیں۔ انھوں نے اس کتاب میں:

1۔ تفسیر کے اہم مسائل اور بنیادی اصولوں کی نشاندہی کی ہے۔

2۔ علم تفسیر کا پر مغز خلاصہ مختصر جملوں میں بیان کیا ہے۔

3۔ قرآن سے ثابت شدہ منصوص علوم پر گفتگو کی ہے۔

4۔ مشکلات القرآن (قرآن کے مشکل الفاظ و جملوں) کی بہترین توجیہ و تعبیر کی ہے۔

5۔ "غریب القرآن" (قرآن کے بعض اجنبی الفاظ) کی بہترین شرح کی ہے اور اس کے "معضلات" (مشکل مقامات) کا حل پیش کیا ہے۔

6۔ صحابہ اور تابعین کی تفاسیر کی تہذیب و تنقیح کرتے ہوئے ان کے باہمی اختلافات کو ختم کرنے کی جانب صحیح رہنمائی کی ہے۔

7۔ قرآن کی منسوخ آیات اور جن آیات کے بارے میں نسخ کا دعویٰ درست نہیں ہے، کے درمیان تمیز پیدا کی ہے۔

8۔ "اسباب نزول" (آیات کے نزول کے اسباب) کے حوالے سے مفسرین کے تشویش میں مبتلا کرنے والے اقوال کو بہترین وضاحت کے ساتھ تحریر کیا ہے، حالانکہ تاویل و تشریح کرنے والے مفسرین ان مختلف اقوال میں تطبیق دینے کے حوالے سے بہت پریشان تھے۔

اس کے علاوہ علم تفسیر کی بہت سی نفیس اور عمدہ باتیں، نادر اور عجیب نکتے شاہ صاحب نے اپنی اس کتاب میں بیان کئے ہیں"[5]۔

مولانا عبید اللہ سندھی کی خدمات تفسیر اور ان کا تفسیری منہجفن اعتبار وتاویل

قرآن فہمی کے حوالے سے مولانا سندھی نے ایک خاص طرز تفسیر کو متعارف کرایا تھا جس کو ان کے شاگرد مولانا احمد علی لاہوری تفسیر کی بجائے "الاعتبار

والتاویل" کہنا پسند فرماتے تھے (6)۔ بلکہ خود مولانا سندھی نے اس کو "فن اعتبار" قرار دیا ہے [7]۔

مولانا اشرف علی تھانوی نے مولانا عبید اللہ سندھی کے منہج تفسیر کے رد میں ایک رسالہ بنام "التقصیر فی التفسیر" لکھا تھا۔ یہ رسالہ نایاب تھا، اب مفتی رضوان صاحب کی کتاب "مولانا عبید اللہ سندھی کے افکار" میں شامل کر دیا گیا ہے۔ اس رسالہ میں "اعتبار و تاویل" کے فن پر تنقید کی گئی ہے [8]۔

مولانا سندھی کے حامی علماء اعتبار و تاویل کے فن کو اشارات صوفیہ کی طرح ایک فن سمجھتے ہیں جو کہ حضرت تھانوی کے بیان القرآن میں مسائل السلوک کے عنوان سے پایا جاتا ہے [9]۔

مولانا حبیب اللہ قاضی مفتی سعید الرحمن کے حوالے سے فرماتے ہیں:

"سلف میں قرآنی اشارات پر مبنی تفسیر کبھی اجنبی نہیں رہی اور مولانا سندھی کے قرآنی افادات کسی طور پر ان حدود سے تجاوز نہیں کر رہے ہیں، وہ ظاہری معنی کو تسلیم کر کے نظم قرآنی کے مطابق اپنے مفہوم کی نشاندہی کرتے ہیں جو قرآن کے بنیادی اصولوں اور مقاصد نزول کی ترجمانی کرتا ہے" [10]۔

اسی فن اعتبار و تاویل کا رواج و استعمال مولانا سندھی کے شاگرد مولانا لاہوری کے ہاں بھی پایا جاتا ہے۔ چنانچہ ان کے شاگرد مولانا عبید اللہ صاحب فاضل دیوبند و پروفیسر گورنمنٹ کالج شاہ پور لاہوری صاحب کے درس کی خصوصیات بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"اعتبار و تاویل کا حصہ اگرچہ قرآن حکیم کی تفسیر نہیں جیسے خود حضرت مولانا نے ظاہر کر دیا ہے مگر درجہ اعتبار میں نہایت عمدہ چیز ہے" [11]۔

مولانا سندھی کے تفسیری منہج کی ایک خصوصیت یہ تھی کہ وہ امام ولی اللہ کی حکمت سے ارتفاقات اربعہ کے ذریعہ موجودہ ماحول پر قرآن مجید کی مدنی سور و آیات کو منطبق فرمایا کرتے تھے۔ اس کا ادراک مولانا سندھی کے تفسیری افادات دیکھ کر کیا جا سکتا ہے۔ اسی بات کو سوانح مولانا احمد علی لاہوری میں ان کے درس کی خصوصیات بیان کرتے ہوئے یوں واضح کیا گیا ہے:

"دوسری خصوصیت یہ ہے کہ آپ نے آیات قرآنی سے ایک مسلمان کی زندگی کے تین ادوار یا تین اطوار پر مشتمل ہونا فرمایا ہے یعنی تہذیب الاخلاق، تدبیر منزل، سیاست مدینہ" [12]۔

حضرت مولانا حسین علی کا منہج تفسیر

کچھ چیزوں میں مولانا حسین علی اور مولانا عبید اللہ سندھی کا طرز ایک ہے۔ دونوں قرآن مجید کے فہم کو قدیم تفاسیر کی تشریحات میں منحصر نہیں سمجھتے۔ دونوں شاہ ولی اللہ کے علوم قرآنی سے متاثر ہیں۔ اسی طرح ان کے کچھ اپنے اصول بھی ہیں جو کہ یہاں مختصراً ذکر کئے جاتے ہیں۔

1۔ قرآن مجید بسا اوقات اپنی تفسیر خود کرتا ہے۔ ایک جگہ کے اختصار کو دوسری جگہ کی تفصیل واضح کر دیتی ہے۔

2۔ قرآن مجید کو اس کے شارح اعظم ﷺ کی احادیث اور سنت مطہرہ کی مدد سے سمجھا جائے۔

3۔ قرآن و حدیث کے بعد صحابہ کے اقوال اور ان کا عمل قرآن کی تفسیر بن سکتا ہے۔

4۔ قرآن کا چوتھا بڑا ماخذ تابعین کے اقوال سے استدلال ہے۔

5۔ اسرائیلیات سے جہاں تک ہو سکے، پرہیز کرنا چاہئے۔

6۔ تفسیر بالرائے سے اعراض انتہائی ضروری ہے [13]۔

حضرت مولانا حسین علی نے نظم قرآن سے متعلق کچھ اصطلاحات وضع فرمائی ہیں، جیسے دعوی سورت، ربط بین السورتین، امتیازات سورت، خلاصہ سورت وغیرہ۔ اسی نظم قرآن یا علم المناسبۃ کے موضوع پر مولانا حسین علی کی تصنیف "بلغۃ الحیران" مشہور کتاب ہے جس میں پورے قرآن مجید کی

سورتوں کے خلاصے، دعوی جات، ربط آیات و سور اور دیگر مباحث بیان کئے گئے ہیں۔ بلغۃ الحیران مولانا حسین علی کے افادات ہیں جنھیں ان کے شاگرد مولانا غلام اللہ خان اور مولانا سید نذر حسین شاہ جو کالوی نے ضبط کیا ہے۔ بعض مقامات قاضی شمس الدین صاحب نے ضبط کئے ہیں [14]۔

مولانا محمد طاہر پنج پیری نے بھی اپنے شیخ کے کام کو آگے بڑھاتے ہوئے اس موضوع پر سمط الدرر، اللمعان اور العرفان جیسی کتابیں تحریر فرمائی ہیں۔

حضرت مولانا حسین علی کے حوالے سے یہ بات مشہور ہے کہ وہ نسخ کے بالکلیہ قائل نہیں جیسا کہ حبیب اللہ قاضی چترالی نے بھی اپنی کتاب میں ان کی طرف علی الاطلاق نسخ سے انکار کی نسبت کی ہے [15]۔ آپ علی الاطلاق نسخ کے منکر نہیں بلکہ وہ اس بات کے قائل ہیں کہ کوئی بھی قرآنی آیت تمام جہات سے منسوخ نہیں ہوتی بلکہ بعض پہلوؤں سے قابل عمل ہوتی ہے۔ ڈاکٹر سراج الاسلام حنیف نے تسہیل بلغۃ الحیران میں اس شبہہ کو دور فرمایا ہے۔ [16]۔

مولانا انور شاہ کشمیری کا موقف بھی علامہ بنوری نے یوں ہی نقل کیا ہے: اس مفہوم کے اعتبار سے کہ آیت بالکل معطل قرار دی جائے، کوئی آیت منسوخ نہیں۔ فرماتے ہیں: **لا یکاد یوجد شئی فی القرآن المتلو منسوخاً فی الحکم بحیث لا یبقی حکمہ فی وجہ من الوجوہ او محمل من المحامل، بل لا جرم یوجد حکمہم مشروعا فی مرتبۃ من المراتب و حال من الاحوال و زمان من الازمان** [17]

ڈاکٹر سراج الاسلام حنیف نے "بلغۃ الحیران" کی تسہیل کی ہے اور ساتھ اس کی تخریج کر کے مفید تعلیقات بھی شامل فرمائی ہیں۔ اس کتاب کی جلد اول کے آخر میں میاں محمد الیاس نے "مولانا حسین علی کا قرآنی فکر و فہم اور تدبر فی القرآن کے نتائج" کے عنوان سے ایک مضمون لکھا ہے جس میں مولانا حسین علی کے منہج تفسیر کی کچھ خصوصیات بیان کی ہیں۔ ذیل میں اس کا خلاصہ پیش کیا جاتا ہے:

"قرآن پاک میں بالعموم چھ مضامین بیان ہوئے ہیں، جو یہ ہیں: توحید، رسالت، قیامت، احکام، دعوت، قرآن کو ماننے اور نہ ماننے والوں کے احوال۔ ان چھ مضامین کو سورہ فاتحہ میں اختصار کے ساتھ اور پورے قرآن میں تفصیل کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ اس اعتبار سے سورہ فاتحہ پورے قرآن کا خلاصہ ہے۔ قرآن مجید کا لب لباب "حوامیم" میں بیان ہوا ہے۔ قرآن مجید مضامین کے اعتبار سے چار حصوں میں منقسم ہے اور ہر حصہ الحمد للہ سے شروع ہوتا ہے۔ اس حصے میں اگرچہ دوسرے مباحث اور مسائل بھی بیان ہوئے ہیں مگر اس حصے کا مرکزی مضمون مسئلہ خالقیت ہے یعنی کائنات کا خالق صرف اور صرف اللہ تعالیٰ ہے۔

دوسرا حصہ سورہ انعام سے شروع ہو کر سورہ بنی اسرائیل پر ختم ہوتا ہے۔ اس میں ربوبیت کا مسئلہ بیان ہوا ہے یعنی ساری کائنات کا رب، پرورش کنندہ اور روزی رساں اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ تیسرا حصہ سورہ کہف سے سورہ سبا تک ہے۔ اس میں تصرف و اختیار کا بیان ہوا ہے اور عقلی و نقلی دلائل کے ساتھ واضح کیا گیا ہے کہ صرف اور صرف اللہ تعالیٰ اس کائنات کا حاکم، مالک و مختار، متصرف و منتظم اور نافع و ضار، معطی و مانع ہے۔ وہ اس کائنات کا نظام خود چلاتا ہے، اس نے اپنا اختیار کسی اور کو نہیں دیا ہے۔ چوتھا حصہ سورہ سبا سے آخر تک ہے، اس میں موجودہ نظام عالم کی شکست و ریخت اور ایک نئے جہان کے وجود میں آنے کا بیان ہے [18]۔

مولانا حسین علی صاحب فرمایا کرتے تھے کہ قرآن پاک میں بالعموم دو دعاوی کئے گئے ہیں۔ پہلا یہ کہ ہمہ کن یعنی سب کچھ کرنے والا اللہ تعالیٰ ہی ہے، دوسرا دعویٰ یہ ہے کہ ہمہ دان یعنی سب کچھ جاننے والا اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ پہلے دعوی کے لئے عقلی دلائل زیادہ بیان ہوئے ہیں، اس لئے کہ جب پہلا دعویٰ ثابت ہو گیا تو دوسرا خود بخود ثابت ہو جائے گا۔ مولانا حسین علی فرماتے ہیں کہ قرآن پاک کی ہر سورت کا ایک مستقل موضوع اور دعویٰ ہے۔ اس جملے کی تشریح مبحث ثانی میں آرہی ہے۔ یہ بھی فرماتے ہیں کہ قرآن پاک دعویٰ بیان کر کے دلائل دیتا ہے اور ساتھ ساتھ تخویفات و بشارات اور شکوہ جات بھی ذکر کرتا ہے۔ اور پھر اس دعویٰ کا اعادہ مع دلائل و تخویفات اور بشارات و شکوہ جات کے فرماتا ہے جسے کم فہم لوگ بے ربطی سمجھتے ہیں [19]۔

مولانا حسین علی صاحب یہ بھی فرماتے ہیں کہ قرآن پاک دعویٰ کے اثبات کے لئے تین قسم کے دلائل پیش کرتا ہے۔ عقلی دلائل، نقلی دلائل، دلائل وحی۔ یعنی یہ دعویٰ پیغمبر علیہ السلام کا اپنا نہیں بلکہ حکم الٰہی ہے۔ بعض اوقات قرآن مجید میں ایک عنوان پر بحث کے دوران دوسرے موضوع کو چھیڑ دیا گیا ہے تاکہ دونوں کو دیکھ کر پورا مضمون سمجھا جاسکے۔ مولانا حسین علی صاحب فرماتے ہیں:

"قصص القرآن کہانیاں نہیں ہیں۔ یعنی عام کہانیوں کی طرح نہیں ہیں کہ تمام تاریخی وجغرافیائی تفصیلات بیان کی جائیں بلکہ بصیرت وعبرت اور نتائج مد نظر ہوتے ہیں، اس لئے قرآن مجید قصوں کے بعض حصے حذف کر دیتا ہے"[20]۔

وہ فرماتے ہیں:

"قرآن پاک عقائد کی کتاب ہے جس کا اصل مقصود عقیدہ توحید ہے جس کے لئے ایمان بالرسالت بھی لازمی ہے اور اس کے لئے جہاد فی سبیل اللہ اور انفاق فی سبیل اللہ مؤید ہیں۔ اس کے علاوہ دوسرے احکام شرع بالتبع ہیں۔ قرآن مجید میں زیادہ زور شرک اعتقادی کی نفی پر دیا گیا ہے اور شرک عملی کی نفی صرف چند مقامات پر کی گئی ہے۔ قرآن مجید کی مکی سورتوں میں عموماً اصلاح عقائد کی دعوت ہوتی ہے، ان سورتوں کا انداز خطیبانہ ہوتا ہے[21]۔

(مولانا سندھی کی طرح مولانا حسین علی صاحب بھی) فرماتے ہیں:

"جزئیات سے کلیات اور فروع سے اصول تک پہنچ جانا قرآن مجید کا عام طرز بیان ہے"[22]۔

مولانا حسین علی رحمہ اللہ کے ہاں شان نزول کی حوصلہ افزائی نہیں کی جاتی[23]۔

اس مبحث کو یہاں پر ختم کرتے ہیں کیونکہ مزید طوالت موضوع سے خروج کا باعث بن سکتی ہے۔ یہاں دوسرے مبحث میں یہ بیان ہوگا کہ مولانا محمد طاہر نے حضرت شاہ ولی اللہ، حضرت مولانا عبید اللہ سندھی اور حضرت مولانا حسین علی صاحب کے تفسیری منہج کو کس حد تک اپنایا۔ وہ مؤخر الذکر دو بزرگوں کے طریقہ تفسیر کو کس طرح اپنے درس میں استعمال کرتے تھے۔ مولانا پنج پیری صاحب نے اپنے اساتذہ کے طرق تدریس میں کیا اضافے فرمائے اور ہزاروں کی تعداد میں دورہ تفسیر میں شریک اپنے طلبہ کو اکیلے طور پر کیسے منظم رکھتے تھے۔

مبحث ثانی: مولانا محمد طاہر پنج پیری کے درس قرآن کی خصوصیات

اس حصے میں پہلے وہ خصوصیات ذکر ہوں گی جو ان کی درسگاہ، درس کے طلبہ اور ان کے نظم سے متعلق ہوں۔ اس کے بعد تفسیر پڑھانے کا منہج اور ان کے درس کے مندرجات پر بحث ہوگی۔

پنج پیر کے درس قرآن کا تعارفی جائزہ

یہ درس اکتوبر 1938ء میں شروع ہوا تھا۔ درس شروع کرنے سے پہلے آپ نے اپنے قرآن مجید کے استاذ اور شیخ طریقت کو مدعو فرمایا اور انھوں نے یہاں تین دن قیام فرمایا، درس قرآن دیا اور پھر سے فرمایا، "قرآن مجید کا خلاصہ بیان کرو"۔ آپ نے خلاصہ بیان کیا تو حضرت مولانا حسین علی صاحب نے ان کو اپنا نائب بنانے کا اعلان کرتے ہوئے فرمایا، "اس علاقے میں مولوی محمد طاہر کو چھوڑتا ہوں"([24])۔

مولانا پنج پیری نے یہ درس شروع کیا لیکن اس کے لئے مساجد یا ذاتی گھروں میں اہتمام ہوتا تھا، باضابطہ مدرسے کی بنیاد 24 فروری 1947ء کو رکھی گئی۔ مدرسہ تعلیم القرآن کے نام سے بننے والا یہ چھوٹا سا مدرسہ بعد میں دار القرآن پنج پیر کہلایا[25]۔

اس وقت آپ کا مشہور درس شروع نہیں ہوا تھا اور انفرادی طور پر یا قرآن کی تعلیم اور اصلاح عقائد واعمال جاری تھا۔ باضابطہ طور پر یہ درس مدرسہ تعلیم القرآن کے وجود میں آنے کے کوئی چھ سال بعد شروع ہوا جس کی تفصیل نے بقیۃ الآثار میں یوں بیان فرمائی ہے:

"1379ھ میں ترجمہ قرآن شروع کیا تھا، دس افراد شریک ہوئے اور محرم 1373ھ (1953ء) میں اختتام ہوا۔ اسی سال دوبارہ ترجمہ شروع کیا گیا جس میں چالیس افراد شریک ہوئے۔ اس کا اختتام 10 محرم 1376ھ (اگست 1956ء) کو ہوا۔ اس کے بعد تین اوقات میں درس شروع کیے گئے۔

1۔ بعد نماز صبح: اس میں اٹھارہ افراد شریک تھے۔

2۔ بعد نماز مغرب۔ یہ دورہ پندرہ محرم 1376ھ (22 اگست 1956ء) بروز بدھ شروع ہوا، شرکاء میں اکثر اسکول کے طلبہ تھے۔

3۔ بعد نماز عشاء: اس میں تیس افراد شریک تھے۔

ایک درس بعد نماز عصر بھی چل رہا تھا۔

دس شعبان سے اٹھائیس رمضان 1374ھ (اپریل، مئی 1955ء) تک بیرونی طلبہ کو ترجمہ قرآن کریم پڑھایا۔ دس شعبان 1375ھ (مارچ 1956ء) کو دورہ تفسیر طلبہ شروع ہوا اور اٹھائیس رمضان (مئی 1956ء) کو ختم ہوا۔ اس دورے میں 80 بیرونی اور تیس مقامی طلبہ شریک ہوئے تھے۔ شوال 1377ھ (اپریل 1958ء) کو دوبارہ دورہ تفسیر شروع ہوا اور چار ماہ میں ختم کیا۔ اس میں دس طلبہ شریک ہوئے۔ دس شعبان 1378ھ (فروری 1959ء) کو سالانہ دورہ تفسیر شروع ہوا اور 26 رمضان کو ختم ہوا۔ اس دورے میں تقریباً 250 طلبہ شریک تھے۔ بعض علماء اور مدارس کے مدرسین بھی شریک دورہ تھے۔ اسی سال 4 شوال کو مدرسین کے لئے بارہ روزہ دورہ تفسیر کا انعقاد کیا گیا تھا۔ نیز اسی سال مسجد رستم خیل مردان میں درس قرآن شروع کیا جس میں دس افراد شریک ہوئے۔ 1380ھ بمطابق 1960ء کو شعبان و رمضان میں سالانہ دورہ تفسیر میں تقریباً 350 افراد شریک ہوئے جبکہ دورہ شوال میں 40 افراد شریک ہوئے۔ 1381ھ بمطابق 1961ء کے دورہ میں بھی 350 طلبہ شریک تھے۔ 1382ھ بمطابق 1962ء کے دورہ میں تقریباً چار سو شرکاء تھے"[26]۔

ان سالانہ دورہ ہائے تفسیر کے علاوہ آپ نے مردان کی مسجد رستم خیل میں ہفتہ وار درس قرآن کا سلسلہ شروع کیا جس کی شروع میں تو بڑی مخالفت ہوئی مگر آپ کے بعض ساتھیوں اور شاگردوں کی استقامت رنگ لائی اور درس میں باقاعدگی آگئی[27]۔

آپ نے درس کے کچھ قواعد و ضوابط بنا رکھے تھے جن پر سختی سے عمل کرتے اور کرواتے تھے۔ ہر مسجد میں ایک امیر ہوتا تھا جو اس مسجد میں مقیم طلبہ کا ذمہ دار ہوتا تھا۔ اور ان سب امراء پر ایک عمومی امیر مقرر ہوتا تھا۔ مسجد کے امیر کی ذمہ داری ہوتی کہ وہ کم سن بچوں کی نگرانی و حفاظت کرے۔ برے اخلاق و صحبت سے ان کو منع کرے، مسجد کا احترام اور باجماعت نماز کی ادائیگی کی نگرانی بھی اس کے ذمہ ہوتی۔ ان امیروں کو اہل محلہ سے تعلقات رکھنے کی حدود بھی بتائی جاتیں۔ ان کو ہدایت کی جاتی تھی کہ کسی قسم کی لڑائی جھگڑے کا ماحول پیدا نہ ہو۔

درسگاہ میں ہر شخص کے لئے صف نمبر اور سیٹ نمبر کے لحاظ سے جگہ متعین کر دی جاتی تھی اور اسے ہر روز اسی مخصوص جگہ پر ہی بیٹھنا ہوتا تھا۔ کوئی شخص دوسری جگہ نہیں بیٹھ سکتا تھا۔ غیر حاضر رہنے والے طالب علم کی جگہ خالی رہتی تھی۔ ان قواعد و ضوابط کے تحت انہیں ہزاروں لوگوں کو کنٹرول کرنے میں آسانی ہوتی تھی۔ آپ گاہے بگاہے مختلف مساجد کا چکر لگاتے، جہاں طلبہ مقیم ہوتے تھے اور طالب علموں کا جائزہ لیتے تھے[28]۔

صف اول میں اس طالب علم کو بٹھاتے جو آپ کے علمی سوالات کے جوابات دینے پر قادر ہوتا۔ اس سلسلے میں آپ مشہور حدیث نقل فرماتے: **لیلینی منکم اولو الاحلام والنھی۔**[29] "عقلمند لوگ میرے قریب رہیں"[30]۔

آپ کے جوانی کے زمانے میں آپ کا درس قرآن یومیہ اٹھارہ اٹھارہ گھنٹے تک بھی پہنچ جاتا تھا[31]۔ وقت کی پابندی بہت ضروری تھی۔ درس میں ناغہ نہیں کرتے تھے اور روزانہ وقت پر درسگاہ پہنچتے تھے۔ اسی طرح طلبہ سے وقت پر آنے کا تقاضا کرتے تھے اور تاخیر سے آنے پر ڈانٹ ڈپٹ سے اصلاح

فرماتے۔ کبھی کبھار تاخیر سے آنے والے کو کھڑا ہونے کا حکم صادر فرماتے۔ اسی طرح پابندی خود بھی دکھاتے۔ چنانچہ اپنے بچے کی وفات کے دن بھی درس کا ناغہ نہیں فرمایا[32]۔

دوران درس کوئی ادھر ادھر دیکھتا یا سو جاتا یا ویسے غفلت کا مظاہرہ کرتا تو درس کے دوران ہی فرماتے، فلاں صف میں فلاں نمبر والا کھڑا ہو جائے، پھر اس کو تنبیہ فرماتے[33]۔

جن لوگوں کو درس کے دوران مسجد میں جگہ مل جاتی، وہ وہاں بیٹھتے، باقی لوگ مسجد کے باہر کھلی فضا میں درختوں کے نیچے بیٹھے ہوتے تھے۔ آخری سالوں میں شرکاء کی تعداد چار ہزار تک پہنچی ہوئی تھی۔ جون جولائی کے رمضان میں سخت گرمی کی حالت میں بھی لوگ اس طرح طویل دورانیہ والے درس سے اکتاہٹ محسوس نہیں کرتے تھے[34]۔

دوران درس امتحان کے طور پر طلبہ سے کچھ سوال بھی پوچھتے تھے، جواب ملنے پر حوصلہ افزائی فرماتے[35]۔

اس درس کی ایک خصوصیت یہ تھی کہ اس میں خواتین بھی شریک ہوتی تھیں اور کسی گھر میں جمع ہو کر سپیکر کے ذریعے درس سنا کرتی تھیں۔ بعد ازاں اس کے بڑے اچھے نتائج برآمد ہوئے[36]۔ میاں الیاس لکھتے ہیں:

"مؤلف کو خود تو اس کا مشاہدہ نہیں ہوا لیکن درجنوں حضرات نے بتایا کہ پنج پیر کا ہر بچہ بوڑھا حتیٰ کہ خواتین تک قرآنی سورتوں کے خلاصے بیان کر دیتی ہیں"[37]۔

اب کے درس قرآن کے مضامین کے اعتبار سے چند خصوصیات ذکر کرتے ہیں۔

مضامین کے اعتبار سے کے درس کی خصوصیات

اس درس پر مولانا عبید اللہ سندھی اور مولانا حسین علی کے دروس قرآن کا اثر واضح تھا۔ گو کہ مولانا حسین علی کے درس کا رنگ غالب اور سندھی صاحب کے درس کا رنگ ذرا مغلوب تھا۔ مولانا سندھی صاحب کے درس کے اثرات معاشرتی، تمدنی، سیاسی اور انقلابی پہلوؤں سے تھے جبکہ مولانا حسین علی کے درس کے اثرات اصلاح عقائد اور شرک وبدعت کی تردید کے اعتبار سے نمایاں تھے[38]۔

نظم قرآن تو مولانا سندھی اور مولانا حسین علی دونوں کے ہاں پایا جاتا تھا مگر اس معاملے میں مولانا حسین علی صاحب کے بلغۃ الحیران سے استفادہ کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ انھوں نے صرف بلغۃ الحیران پر انحصار نہیں کیا ہے بلکہ اپنے طور سے غور و فکر کرتے ہوئے اس میں مفید اضافے بھی فرمائے تھے۔ اس حوالے سے ان کی کتاب "سمط الدرر" ایک بہترین کتاب شمار ہوتی ہے[39]۔

نظم قرآن کے حوالے سے کے چند مفید افادات ذیل میں ذکر کئے جاتے ہیں۔ یہ افادات مولانا حسین علی صاحب سے نے سیکھ کر اسے اپنے درس میں بیان کئے تھے اور اس کے ساتھ مزید اضافے بھی فرمائے تھے۔

1۔ قرآن پاک کو سمجھنے کے لئے پانچ چیزوں کا جاننا ضروری ہے:

پہلی چیز سورت کا مقصد ہے۔ مقصد سورت سے مراد یہ ہے کہ یہ معلوم ہو جائے کہ سورت کس مقصد کے لئے ایک نظم میں پروئی گئی ہے۔ اس کو مقصد سورت، دعوی سورت اور عمود سورت کا نام دیا گیا ہے۔ بالفاظ دیگر یہ بتانا ہوتا ہے کہ سورت میں کون سا مسئلہ ایسا ہے جس کے لئے اتنی ساری دلیلیں بیان ہوئی ہیں۔ جس طرح کسی مقدمہ میں دلائل کسی مقصد کے لئے پیش کئے جاتے ہیں، اسی طرح قرآن مجید کی ہر سورت میں ایک دعویٰ ہوتا ہے اور اس کے لئے دلائل بیان ہوتے ہیں، اس کے لئے قصص ذکر کئے جاتے ہیں، بشارتیں اور تخویفات ذکر ہوتی ہیں، دلائل، تخویفات، بشارات، امثال اور

قصص تو بذات خود مقصود نہیں ہوتے۔اس لئے سورت کے لئے اس طرح کا ایک محور ہونا ضروری ہے۔

دوسری چیز تقسیم سورت ہے۔ سورت کے شروع میں بتایا جاتا ہے کہ سورت میں ایک مقصد ہے یا زیادہ۔ بعض سورتوں میں ایک سے زائد مضامین ہوتے ہیں۔

تیسری چیز ہے امتیازات السورۃ۔یعنی یہ سورت باقی سورتوں سے کن مضامین کی بنیاد پر ممتاز ہے، وہ کون سا مسئلہ ہے جو اس سورت میں بیان ہوا ہے اور دوسری سورت میں اس طرز سے بیان نہیں ہوا ہے۔

چوتھی چیز ربط ہے۔یعنی یہ سورت پچھلی سورت سے کن کن بنیادوں کی وجہ سے مربوط ہے۔

پانچویں چیز مشکلات ہے، یعنی اس سورت میں کون سی آیات ایسی ہیں جن کے سمجھنے کے لئے دقت اٹھانی پڑتی ہے،اس سورت میں کون سا لفظ مشکل ہے، اگر مفسرین کا اختلاف ہے تو وجہ اختلاف کیا ہے۔ایک مفسر ایک معنی کرتا ہے،دوسرا مفسر دوسرا معنی کرتا ہے، سبب اختلاف کیا ہے، قرآن پاک میں اللہ تعالی لفظ عام ذکر کرتا ہے۔ مفسرین اس کے بہت سارے معانی کرتے ہیں۔اس کو مشکلات القرآن کہتے ہیں[40]۔

اس قسم کے مضامین پر آپ نے کئی کتابیں بھی لکھی ہیں اور ان کے درس قرآن (غیر مطبوع) میں بھی اس پر کافی طویل مباحث پائے جاتے ہیں۔

2۔ جیسا کہ مولانا حسین علی صاحب قرآن کی تفسیر قرآن مجید ہی سے کرتے تھے، آپ بھی یہی طریقہ اختیار کئے ہوئے تھے، چنانچہ انہوں نے تیسیر القرآن میں تفسیر القرآن بالقرآن، تفسیر القرآن بالحدیث، تفسیر القرآن باقوال الصحابہ اور تفسیر القرآن باللغۃ پر کافی وضاحت سے بحث فرمائی ہے[41]۔

نسخ کے بارے میں جو نظریہ مولانا حسین علی صاحب کا ذکر ہوا، اس نظریہ میں اپنے استاذ کی پیروی فرماتے تھے[42]۔

3۔ لفظی ترجمے کو بہت اہمیت دیتے تھے۔ آپ طلبہ کو متنبہ کرتے کہ لفظی ترجمہ کو آسان نہ سمجھنا۔ بڑے ماہر مفسرین ہی درست ترجمہ کر سکتے ہیں اور اکثر لوگ اس سے غافل ہیں۔ ترجمہ کرتے وقت آپ انتہائی کوشش فرماتے تھے کہ عربی محاورات کو اپنی مادری زبان کے صاف اور صحیح و معروف محاورات میں نقل کریں۔ آپ اصول بلاغت کا لحاظ رکھتے اور لفظی ترجمہ کو بامحاورہ ترجمہ کے قریب لانے کی کوشش کرتے[43]۔

آپ کا ترجمہ آسان اور سلیس ہوتا تھا اور تشریح بھی عام فہم ہوتی تھی[44]۔

(مثال)　سورہ بقرہ کے شروع میں یقیمون الصلوۃ کا معنی نماز کو رواج دینے اور اس کو جاری کرنے سے کرتے تھے۔ عام طور پر لوگ اس کا معنی "نماز ادا کرنے" سے کرتے ہیں۔ دونوں معنوں کا تقابلی جائزہ لیتے ہوئے فرماتے کہ پہلے معنی میں وسعت زیادہ ہے کہ اپنی اولاد اور ماتحت لوگوں میں نماز کو رائج کرادیتے ہیں، ان سے نماز پڑھوادیتے ہیں، جبکہ دوسرے معنی میں صرف اپنی ذات کی حد تک نماز پڑھنے کا مفہوم سامنے آتا ہے[45]۔

4۔ آپ کی تفسیر کا یہ امتیازی وصف ہے کہ آپ نے زیادہ زور قرآن فہمی پر دیا ہے[46]۔ یہی وجہ ہے کہ آپ نے نوجوانوں کو لفظی ترجمہ سکھایا اور پھر ان کو اپنے دروس میں بٹھایا تو کئی عامی لوگوں نے بھی قرآن مجید کو ترجمے کے ساتھ سیکھ لیا۔ سورتوں کے خلاصے یاد کر کے قرآن مجید کے مقصد سے واقف ہو گئے۔ قرآن کا ظاہری مطلب سمجھانے میں آپ دیگر علوم دینیہ پر انحصار کم کرتے ہیں۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ دیگر علوم کو سرے سے بیان نہیں کرتے۔ جب مشکلات القرآن حل کرنے کا وقت آتا ہے تو تمام علوم دینیہ کی بڑی اور بنیادی کتابوں کے حوالے دیتے ہیں۔ اس وقت ان کے مطالعہ کی وسعت اور عمق کا اندازہ ہو جاتا ہے۔

(مثال نمبر 1)　آپ کے صاحبزادے اور شاگرد میجر (ریٹائرڈ) محمد عامر باضابطہ عالم دین نہیں لیکن جب وہ قرآنی مضامین بیان کرتے ہیں تو بڑے بڑے علماء حیران ہو جاتے ہیں۔ مقالہ نگار نے اشاعۃ التوحید کے دو شورائی اجلاسوں میں ان کو گفتگو کرتے ہوئے سنا ہے اور حاضرین کا تعجب محسوس کیا ہوا

ہے۔

(مثال نمبر 2) مومن گل صاحب باضابطہ عالم دین نہیں مگر سکول و کالج کے طلبہ کو چھٹیوں میں دورہ تفسیر پڑھاتے ہیں۔ ان کا درس قرآن بھی مقالہ نگار نے سنا ہے، اس میں کوئی علمی کمزوری معلوم نہیں ہوتی۔

(مثال نمبر 3) آپ نے سورہ آل عمران کے آخر میں سورت کے مشکلات بیان کرتے ہوئے آیت نمبر 152 کی تشریح کی ہے اور **ولقد عفا عنکم** کے ضمن میں عصمت انبیاء کا مسئلہ بیان فرمایا ہے۔ اس آیت کریمہ کی کئی توجیہات ذکر فرمائی ہیں اور عصمت انبیاء پر کلام کرتے ہوئے انبیائے کرام کا زبردست دفاع کیا ہے۔ تائید میں انھوں نے حدیث، تاریخ اور تقابل ادیان کی کتابوں کے حوالے دیئے ہیں[47]۔

5۔ آپ قرآن مجید کی عصری تطبیق کر کے آیت کریمہ کو موجودہ معاشرے پر منطبق کرنے کی کوشش کرتے تھے۔ شان نزول کی حوصلہ افزائی نہیں فرماتے تھے اور اسرائیلیات کے ذکر کرنے سے پہلو تہی فرماتے تھے[48]۔

(مثال نمبر 1) سورہ نساء آیت نمبر 60 میں قرآن مجید کی تعلیمات کو اپنے معاشرے پر منطبق فرمایا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں، **الم تر الی الذین یزعمون انھم آمنوا بما انزل الیک و ما انزل من قبلک یریدون ان یتحاکموا الی الطاغوت وقد امروا ان یکفروا بہ و یرید الشیطن ان یضلھم ضلالا بعیدا**[49]۔

"(اے پیغمبر ﷺ) کیا آپ نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جو دعویٰ یہ کرتے ہیں کہ وہ اس کلام پر بھی ایمان لے آئے ہیں جو تم پر نازل کیا گیا ہے اور اس پر بھی جو تم سے پہلے نازل کیا گیا تھا (لیکن) ان کی حالت یہ ہے کہ وہ اپنا مقصد فیصلے لئے طاغوت کے پاس لے جانا چاہتے ہیں، حالانکہ ان کو حکم یہ دیا گیا تھا کہ وہ اس کا کھل کر انکار کریں اور شیطان چاہتا ہے کہ انھیں بھٹکا کر پرلے درجے کی گمراہی میں مبتلا کر دے"۔

مفسرین نے طاغوت کے کئی معانی بیان کئے ہیں۔ راغب اصفہانی فرماتے ہیں: **الطاغوت عبارۃ عن کل متعد و کل معبود من دون اللہ** "طاغوت ہر وہ ہستی ہے جس کی اللہ تعالیٰ کے مقابلے میں اطاعت مطلق کی جائے، خواہ وہ شیطان ہو یا سلطان یا معمولی انسان"[50]۔

آپ نے مبتدع مولوی کو طاغوت کا ایک مصداق قرار دے کر آیت کو موجودہ حالات پر اس طرح منطبق کیا ہے کہ جس طرح خلاف شریعت قانون اور شخصیتسے اپنا فیصلہ کروانا گمراہی ہے، اسی طرح آج کل کے مبتدع کو اپنا ثالث قرار دینا گمراہی ہے۔ یہاں آپ نے لفظ خاص سے عموم مراد لیتے ہوئے طاغوت سے مبتدع مولوی مراد لیا ہے[51]۔ دراصل انہوں نے طاغوت کا ایک مصداق بتایا ہے مگر ایک ایسے سیاق و سباق میں اس کو ذکر کیا ہے کہ یوں معلوم ہوتا ہے کہ طاغوت کا معنی مبتدع مولوی ہے۔

(مثال نمبر 2) آپ نے سورہ نساء آیت نمبر 75 کے ذیل میں **والمستضعفین من الرجال والنساء والولدان** سے کابل افغانستان کی کمزور خواتین، بچے اور بوڑھے مراد لئے ہیں۔ عام مفسرین نے اس سے مکہ کی کمزور خواتین، بچے اور بوڑھے مراد لیے ہیں۔ آپ نے کابل کے کمزور بوڑھوں، بچوں اور خواتین کو مراد لے کر اشارہ کیا کہ آیت کریمہ مکہ مکرمہ میں موجود کمزور خواتین، بچوں اور بوڑھوں کے ساتھ خاص نہیں[52]۔

انہوں نے یہ عصری تطبیق روسی انقلاب کے بعد کی تھی۔ اس وقت آپ تمام جہادی آیتوں کو افغان جہاد پر منطبق فرماتے تھے۔

6۔ مولانا سندھی کی طرح بعض اوقات مولانا پنج پیری بھی "الاعتبار والتاویل" کی بنیاد پر آیت میں موجود خاص الفاظ سے عام مفہوم مراد لیتے ہیں۔ مولانا سندھی نے تو اپنی کتاب "التمہید" میں اس کو مستقل فن قرار دیا ہے، فن اعتبار۔ بظاہر مولانا سندھی اس فن کے موجد ہیں۔ آپ نے صراحت کے ساتھ

اس اصول کا ذکر کہیں نہیں فرمایا ہے۔ان کے طرز عمل سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ معاشرے کی اصلاح کے سلسلے میں کبھی کبھار فن اعتبار کا سہارا لے لیتے ہیں۔ فن اعتبار پر تفصیلی گفتگو مولانا سندھی کے منہج تفسیر کے ذیل میں گزر گئی ہے۔البتہ یہ بات ملحوظ رہنی چاہئے کہ مولانا سندھی کی تفاسیر اور مولانا پنج پیری کے درس قرآن کا تقابل کیا جائے تو یہ نتیجہ واضح طور پر معلوم ہوتا ہے کہ شیخ صاحب فن اعتبار کو بطور تفسیر استعمال نہیں فرمارہے ہیں بلکہ قرآنی اشارات سے استیناس کے طور پر ذکر فرماتے ہیں[53]۔

(مثال) سورہ بلد کی تشریح کرتے وقت مندرجہ ذیل واقعہ ذکر کرتے ہوئے فرماتے تھے:

ایک بار میں اپنے مدرسے کے پاس کھڑا تھا، کچھ حکومتی مہمان آگئے۔یہ صدر ایوب کا دور تھا اور اس زمانے میں ویلج ایڈ نامی ایک رفاہی تنظیم دیہاتوں میں رفاہی کام کے سلسلے میں سرگرم تھی۔یہ مہمان کسی سکول کی افتتاحی تقریب میں شرکت کے لئے آئے ہوئے تھے۔ان میں سے بعض ملکی اور بعض غیر ملکی تھے۔

"تعلیم القرآن" کا بورڈ دیکھ کر انھوں نے مجھ سے پوچھا، یہ کیا چیز ہے؟ میں نے کہا، یہ مدرسہ ہے اور اس میں قرآن کی تعلیم دی جاتی ہے۔انھوں نے پوچھا، کون تعلیم دیتا ہے؟ میں نے کہا، میں۔وہ ایک دوسرے کو دیکھ کر ہنسنے لگے اور ایک نے دوسرے سے کہا کہ اس سے کچھ پوچھ لو۔اس نے مجھ سے پوچھا، آپ کو الحمد آتی ہے؟ میں نے کہا، ہاں۔میں نے سورہ فاتحہ سنادی۔وہ ہنسے کہ مولوی صاحب کو فاتحہ یاد ہے، اپنے لئے روزی کما سکتا ہے۔پھر میں نے ان سے پوچھا، آپ کیسے آئے ہیں؟ انھوں نے ویلج ایڈ تنظیم میں کام کرنے کا کہا، یعنی ہم گاؤں کی اصلاح و رفاہ کے لئے کام کر رہے ہیں۔میں نے ان سے پوچھا، آپ تو تعلیم یافتہ اور مسلمان ہیں، کیا قرآن میں گاؤں کی اصلاح کے لئے کوئی سورت موجود ہے؟ انھوں نے تعجب سے کہا، کیا قرآن میں گاؤں کی اصلاح سے متعلق کوئی سورۃ پائی جاتی ہے؟ میں نے کہا، ہاں، سورۃ البلد میں گاؤں کی اصلاح کا تذکرہ ہے۔پھر میں نے بتایا کہ اس سورت میں قرآن مجید نے تین اصول بتائے ہیں:

1۔ گاؤں کا سربراہ اور امیر جفاکش ہونا چاہئے کیونکہ اللہ تعالیٰ اس سورت میں فرماتے ہیں، "ہم نے انسان کو مشقت میں پیدا فرمایا ہے"، لہذا گاؤں کا سربراہ جفاکش اور بہادر ہونا چاہئے، بزدل نہیں ہونا چاہئے۔

2۔ دوسرا اصول یہ ہے کہ گاؤں کا صدقہ و خیرات مناسب اور صحیح مصرف پر خرچ ہو، جیسا کہ **او اطعام فی یوم ذی مسغبة** میں اس کی طرف اشارہ ہوا ہے۔

3۔ تیسرا اصول یہ ہے کہ گاؤں کے امراء صبر کرتے رہیں۔

وہ لوگ انتہائی شرمندہ ہوگئے اور اس کے بعد آپ سے تفصیلی گفتگو ہوئی[54]۔

یہ تین اصول سورہ بلد کے اشارات سے معلوم ہوتے ہیں، اس لئے فن اعتبار کے زمرے میں آتے ہیں۔

7۔ آپ کے درس کا ایک امتیاز مشکلات القرآن کے حل میں آپ کا منفرد اسلوب ہے۔آپ بہت ساری مشکل آیات کے ذیل میں گذشتہ مفسرین کے برخلاف اپنی توجیہ ذکر فرماتے ہیں اور پھر گذشتہ مفسرین نے جو معنی کیا ہوتا ہے، اس کے ساتھ تقابل فرماتے ہوئے اپنی توجیہ کو راجح ثابت کرتے ہیں۔اس میں کبھی وہ متفرد ہوتے ہیں اور کبھی دوسرے مفسر کے قول کو دیگر مفسرین کے قول پر ترجیح دیتے ہیں۔یہ طریقہ انھوں نے بہت ساری جگہوں میں اختیار کیا ہوا ہے۔مقالہ نگار ان میں سے چند مواضع ذکر کر رہا ہے۔

(مثال نمبر 1) آپ نے سورہ نمل آیت 40 کے ذیل میں **الذی عندہ علم من الکتب** کا مصداق حضرت جبرئیل یا حضرت سلیمان علیہما السلام کو

قرار دیا ہے۔ یہ محقق مفسرین کا قول ہے۔ جمہور مفسرین نے اس سے آصف برخیا مراد لیا ہے[55]۔ نے اس قول پر رد فرمایا ہے۔ فرماتے ہیں کہ یہ شخص جادو گر تھا اور کیا جادو گر کے پاس اللہ تعالیٰ کی کتاب کا ایسا علم ہو سکتا ہے اور اس کو اللہ کی کتاب میں بصیرت حاصل ہو سکتی ہے؟[56]

(مثال نمبر 2) آپ نے سورہ یوسف آیت نمبر 50 کے ذیل میں فرمایا کہ آیت کریمہ **ذلک لیعلم انی لم اخنہ بالغیب و ان اللہ لا یھدی کید الخائنین**[57] کو علامہ ماوردی نے زلیخا کا قول قرار دیا ہے اور علامہ ابن تیمیہ نے اس کی تائید کی ہے۔ مولانا پنج پیری اسی قول کو راجح قرار دے رہے ہیں۔ اس کے برخلاف بعض مفسرین نے اس کو حضرت یوسف علیہ السلام کا قول قرار دیا ہے۔ مولانا پنج پیری نے اس تفسیر کو غلط قرار دیا ہے اور وجہ یہ بتائی ہے کہ یوسف علیہ السلام ابھی دربار میں نہیں آئے تھے اور ابھی تک وہ پیش نہیں ہوئے[58]۔

(مثال نمبر 3) آپ نے سورہ قصص آیت نمبر 27 کے ذیل فرمایا کہ شعیب علیہ السلام نے جو فرمایا تھا، **ان تاجرنی ثمانی حجج**، اس کا مطلب علامہ ابن قتیبہ نے یہ بیان کیا ہے کہ آپ میرے پاس آٹھ سال مزدوری کریں گے اور مجھ سے اس کا معاوضہ لیں گے، تو آپ کے پاس رقم آجائے گی، پھر آپ اس کو مہر میں ادا کر دیں گے۔ یہ توجیہ فقہ حنفی کے اصولوں کے مطابق ہے کہ استیجار مہر نہیں بن سکتا[59]۔

(مثال نمبر 4) اسی سورہ قصص کی آیت نمبر 38 کے ذیل میں امام رازی کا حوالہ دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ آیت کریمہ **وقال فرعون یا ایھا الملأ ما علمت لکم من الہ غیری فاوقد لی یاھامان علی الطین فاجعل لی صرحا لعلی اطلع الی الہ موسی و انی لاظنہ من الکذبین**[60] میں بعض لوگ یہ مراد لیتے ہیں کہ فرعون نے اپنے وزیر ہامان کو حکم دیا کہ میرے لئے محل بنا دو جو آسمان تک پہنچ جائے تاکہ میں موسیٰ کے رب کو دیکھ سکوں۔ یہ مطلب غلط ہے، ایسا تو کوئی بے وقوف بھی نہیں سوچتا کہ محل آسمان تک پہنچ جائے گا، بلکہ اس کا مطلب یہ تھا کہ میرا محل تو موجود ہے لیکن لوگ وہاں جاتے نہیں۔ یہاں کھلی جگہ محل بنا دو تاکہ میں دیکھ لوں کہ اللہ تعالیٰ کا فضل مجھ پر زیادہ ہے یا موسیٰ علیہ السلام پر، اور فضل کا یہ مظاہرہ عام لوگ بھی دیکھ لیں۔

شیخ صاحب نے دوسرا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ محل بنانے کا حکم اس لئے دیا تھا کہ فرعون پر موسیٰ علیہ السلام کا رعب تھا۔ وہ چاہتا تھا کہ محل میں محفوظ طور پر ٹھہر جائے اور لوگوں کو یہ باور کرا سکے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھ پر فضل کیا ہے[61]۔

(مثال نمبر 5) سورہ اعراف آیت نمبر 190 کے ذیل میں فرمایا کہ بعض مفسرین نے آیت کریمہ **فلما اتھما صالحا جعلا لہ شرکاء فیما اٰتھما فتعلی اللہ عما یشرکون**[62] کا مصداق حضرت آدم اور حضرت حوا علیہا السلام کو قرار دیا ہے اور اس پر مسند احمد کی اس حدیث سے استدلال کیا ہے:

حدثنا عبد الصمد قال حدثنا عمر بن ابراھیم عن سمرۃ عن النبی ﷺ لما ولدت ھوا طاف بھا ابلیس و کان لا یعیش لھا ولدھا فقال سمیہ عبد الحارث فانہ یعیش فسمتہ[63]۔

اس حدیث میں بتایا گیا ہے کہ حضرت حواء علیہا السلام کے بچے مر جاتے تھے تو پھر جب حضرت حواء علیہا السلام کا حمل ٹھہرا تو شیطان نے اس کو آکر ان کو یہ ترغیب دی کہ جب آپ بچہ جنم دے لیں تو اس کا نام عبد الحارث رکھ دیں۔ اس سے بچہ زندہ بچے گا۔ حارث شیطان کا ایک نام ہے۔ اس روایت کو ترمذی نے اپنی سنن میں بھی ذکر کیا ہے[64]۔

آپ نے اس توجیہ پر سخت نقد فرمائی ہے، اس حدیث کی سند پر مؤثر کلام کیا ہے اور آیت کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ ضمیر جنس کو راجع ہے اور جنس کو مفرد کی ضمیر بھی راجع ہو سکتی ہے اور جمع کی بھی۔ مطلب یہ ہے کہ انسان کو اللہ تعالیٰ نے ایک جنس سے پیدا فرما کر اس کا جوڑا بنایا اور پھر اس سے اولاد کا سلسلہ شروع کر دیا، تو عام طور پر انسان کا حال یہ ہے کہ جب اس کا بچہ جنم لینے والا ہوتا ہے تو وہ اس کا نام شیطان کے نام پر رکھ کر شیطان کو اس بچے کا حصہ دار بناتا

ہے اور شرک کا ارتکاب کر لیتا ہے۔ فرماتے ہیں کہ آج بھی لوگ اس طرح کرتے ہیں کہ جب بچہ پیدا ہو جائے تو کہتا ہے کہ فلاں بابا نے مجھے یہ بچہ دیا ہے[65]۔

8۔ آپ قرآن مجید کی کسی آیت کی تفسیر کے ذیل میں مختلف جگہوں سے آیات قرآنیہ کو بطور تائید پیش کر کے جمع کرتے ہیں اور یوں ایک مضمون سے متعلق بہت ساری آیات کا یکجا مطالعہ کرنا آسان ہو جاتا ہے۔ اور اس ضمن میں ان مضامین کا احاطہ بھی ہو جاتا ہے جو کسی ایک آیت میں موجود نہ ہوں مگر دوسری آیت کے ذیل میں موجود ہونے کی وجہ سے مراد ہوں[66]۔

مولانا پنج پیر کے درس قرآن کی خصوصیات میں ان کے اربعینات بھی ہیں جو کہ عربی زبان میں مرتب ہوئے ہیں۔ مولانا مومن گل نے اس کا ترجمہ کیا ہے۔ یہاں وہ ترجمہ نقل کیا جاتا ہے۔

اربعینات

لا یصیر الرجل بصیرا بالقرآن حتی یعلم اربعاً

ایک آدمی (قرآن کریم کا طالب علم) قرآن کریم کا مطلب نہیں سمجھ سکتا یہاں تک کہ وہ چار چیزوں کو نہ سیکھ لے:

1۔ تفسیر القرآن بالقرآن 2۔ تفسیر القرآن بالحدیث 3۔ تفسیر القرآن باقوال الصحابہ 4۔ تفسیر القرآن باقوال التابعین

کاربع "چار چیزوں کی طرح:

1۔ ایک لفظ کا لغوی اور شرعی معنی سیکھنا 2۔ ہر لفظ کا اپنی جگہ مناسب معنی کرنا 3۔ نزول کے اسباب جاننا 4۔ ناسخ اور منسوخ جاننا

لاربع "چار مسائل کے اثبات کے لئے:

1۔ توحید 2۔ رسالت 3۔ صداقت الکتاب 4۔ ایمان بالآخرۃ

باربع "چار قسم کے دلائل سے ان کا اثبات کرے گا:

1۔ دلیل عقلی 2۔ دلیل نقلی 3۔ دلیل وحی 4۔ الحلف

ویمدھا باربع "اور مضبوط کریں گے ان کو چاروں کے ساتھ:

1۔ جہاد 2۔ انفاق 3۔ تنظیم 4۔ آداب

لیرد بھا اربعا "تا کہ ان کے ذریعے چاروں کا رد کریں:

1۔ مشرکین 2۔ منافقین 3۔ یہود 4۔ نصاریٰ

کاربع "دیگر چاروں کے رد کی طرح:

1۔ شرک فی العلم 2۔ شرک فی الدعا 3۔ شرک فی التصرف 4۔ شرک فی العبادت

فی اربع "چار قسم کے مشرکین میں:

1۔ مشرکین بالعباد الصالحین 2۔ مشرکین بالکواکب 3۔ مشرکین بالملائکہ 4۔ مشرکین بالجن

ویوضحھا باربع "اور ان کی وضاحت چار چیزوں سے کرے گا:

1۔ قصص الانبیاء 2۔ امثال 3۔ آلہہ باطلہ کا عجز 4۔ مشرکین کے دلائل کی تردید

ویحذر من الاربع "اور ڈرے چار سے:

1۔کفر 2۔منافقت 3۔شرک 4۔افتراء علی اللہ

کاربع "چاروں کی طرح ان سے بھی اجتناب کریں:

1۔اللہ کی حرام کردہ چیزوں کو حرام سمجھے۔2۔اللہ کی حلال کردہ چیزوں کو حلال سمجھے۔ 3۔تقول علی اللہ 4۔افتراء علی اللہ

واربع "اور چار سے پرہیز کریں:

1۔توحید سے انکار 2۔معجزات سے انکار 3۔حق پرست علماء کا اخراج 4۔حق پرست علماء کا استہزاء کرنا

ویجتنب من اربع "اور چار چیزوں سے اجتناب کریں:

1۔مداہنت 2۔کتمان حق 3۔ترک عمل 4۔تحریف

لئلا یبتلی باربع "تاکہ چار میں مبتلا نہ ہو جائے:

1۔زجر 2۔ختم القلب 3۔دنیا میں ذلیل نہ ہو 4۔آخرت کے عذاب سے

کاربع "چاروں کی طرح ان سے بھی بچے:

1۔اتباع الھویٰ 2۔استدلال بالآباء 3۔اللہ کے ساتھ مخلوق کی تشبیہ دینا 4۔قیاس فاسد

فامتحن باربع "مسئلہ توحید بیان کریں گے تو چار قسم کے امتحانات آئیں گے:

1۔دوست ملامت کریں گے 2۔تکالیف آئیں گی 3۔جاہل لوگ لعن طعن کریں گے 4۔علماء حسد کریں گے

کاربع "چار امتحانات کی طرح:

1۔لوگ گالیاں دیں گے 2۔تکالیف پہنچائیں گے

3۔مختلف قسم کے بہتان باندھیں گے 4۔بڑے لوگ آپ کے خلاف تدبیر کریں گے

واعتصم باربع "اور چاروں کو مضبوطی سے تھامنا ہے:

1۔قرآن کریم 2۔سنت 3۔صحابہ کا اجماع 4۔قیاس

مع اربع "اور چاروں کے ساتھ:

1۔لوگوں سے احسان کرنا 2۔ترک الفحشاء 3۔امر بالمعروف 4۔نہی عن المنکر

ویتحلی باربع "اور چاروں کے ساتھ مزین ہوں گے:

1۔معاندین کے ساتھ بائیکاٹ کرنا 2۔موحدین کی نصرت کرنا 3۔مختلف قسم کے امتحانات آئیں گے 4۔منکر کارد کرنا

واکرمہ اللہ باربع "اللہ تعالیٰ عزت دے گا چار چیزوں کے ساتھ:

1۔تسلی 2۔ربط القلب، دل مضبوط ہو گا 3۔بشارۃ دنیوی 4۔بشارۃ اخروی

کاربع "چار نعمتوں کی طرح کی یہ بھی نصیب ہوں گی:

1۔شجاعت 2۔استقامت 3۔اللہ تعالیٰ کی مدد 4۔اللہ کی معیت خاصہ

وھانت علیہ اربع "اور چار کام آسان ہو جائیں گے:

1۔ایثار النفس 2۔ایثار الاموال 3۔الھجرۃ الی اللہ 4۔مخالفین کے ساتھ بائیکاٹ

کاربع مذکورہ چار کاموں کی طرح یہ بھی آسان ہو جائیں گے:

1۔دنیا سے بے رغبتی 2۔تکالیف میں اطمینان 3۔حق کا بیان 4۔امتحانات کے وقت تثبت

فیفوز باربع" چار کے ساتھ کامیابی ملے گی:

1۔آسمانوں میں عظمت کے ساتھ پکارا جائے گا 2۔جنت الماویٰ میں داخل ہو جائے گا

3۔اونچا درجہ پائے گا 4۔اللہ تعالیٰ سے ملاقات کرے گا

ویدخل فی اربع "چار قسم کے لوگوں میں داخل ہو گا:

1۔انبیاء علیہم السلام 2۔صدیقین 3۔شہداء 4۔صالحین

وحسن اولئک رفیقا" کیا ہی اچھی رفاقت ہے ان لوگوں کی"[67]

اربعینات یا مربعات

مولانا پنج پیری کے شاگرد مولانا عبدالسلام صاحب اربعینات کی تعبیر مربعات سے کرتے تھے۔انہوں نے انہی مربعات میں توسیع کرتے ہوئے "تنشیط الاذھان" کے نام سے ایک مستقل رسالہ بھی تصنیف فرمایا ہے[68]۔

نتائج بحث

برصغیر میں قرآن فہمی کے درجن بھر رجحانات پائے جاتے ہیں جن میں سب سے زیادہ شہرت شاہ ولی اللہکے طریقہ تفسیر کو حاصل ہے۔انہوں نے قرآنی ترجمہ نگاری کے اصول وضوابط طے کئے۔اصول تفسیر کے حوالے سے انہوں نے "الفوز الکبیر" نامی کتاب لکھ کر فہم قرآن کو بہت آسان بنایا۔اور اس سلسلے میں فہم قرآن کے نئے گوشے متعارف کرائے۔

شاہ ولی اللہ کے اس طرز تفسیر کو مولانا عبیداللہ سندھی نے مزید واضح کرتے ہوئے فرمایا کہ قدیم تفاسیر پر بہت زیادہ انحصار کرنے کی بجائے متن قرآن سے براہ راست استفادہ کرنا چاہیئے۔چنانچہ انہوں نے اجتماعی وسیاسی زندگی میں قرآن سے ایسے اصول وکلیات اخذ کئے جن کا معاشرے میں درپیش احوال سے یقینی تعلق تھا۔اس سلسلے میں انہوں نے "الاعتبار والتاویل" کی اصطلاح وضع فرمائی۔

مولانا حسین علینے بھی شاہ ولی اللہکے طرز تفسیر کو کافی حد تک اپنایا اور اس کے ساتھ انہوں نے نظم قرآن میں خصوصی دلچسپی لی۔اور پورے قرآن کو نظم قرآن کے تناظر میں سمجھنے کی کوشش کی۔اس کے لئے انہوں نے چند مخصوص اصطلاحات کا سہارا لیا جن کی بنیاد الاعتبار والتاویل پر مبنی تھی۔

مولانا محمد طاہر پنج پیرینے مولانا سندھیاور مولانا حسین علیسے تفسیر میں استفادہ کیا اور شاہ ولی اللہکے علوم تفسیر کی روشنی میں ایک منظم درس قرآن کا آغاز کیا۔نظم قرآن ان کے درس کی نمایاں خصوصیت تھی۔اور انہوں نے "سمط الدرر" کے نام سے ایک رسالہ لکھ کر قرآنی مضامین کو مربوط شکل دی تھی، تاکہ قرآن مجید کو سمجھنا آسان ہو۔مولانا پنج پیری قرآن مجید کی مشکل آیات کو تفسیر القرآن بالقرآن، تفسیر القرآن بالحدیث، تفسیر القرآن باقوال الصحابہ اور تفسیر القرآن باللغۃ کے ذریعے حل فرماتے تھے۔آپ لفظی ترجمے پر بہت زیادہ محنت کرتے تھے اور درست ترجمہ کرنے پر زور دیتے

تھے۔

آپ قرآن مجید کی عصری تطبیق کرکے معاشرے کی اصلاح پر توجہ دیتے تھے۔اور اس سلسلے میں مولانا سندھیکے طرز پر اعتبار وتاویل کا سہارا لیتے تھے۔ مشکلات القرآن پر خصوصی بحث کرتے تھے اور گذشتہ مفسرین کے متعدد اقوال میں محاکمہ کرکے راجح قول کا تعین فرماتے تھے۔آپ قرآن مجید کی کسی ایک آیت کے ذیل میں مختلف جگہوں سے آیات قرآنیہ کو بطور تائید جمع فرماتے تھے اور یوں ایک مضمون سے متعلق بہت ساری آیات کا یکجا مطالعہ کرنا آسان ہو جاتا تھا۔

آپ نے درس قرآن کو اپنی دعوت کے لئے وسیلے کے طور پر استعمال کیا اور اس میں وہ بجا طور پر کامیاب بھی ہوئے۔آپ نے "اربعینات "کے نام سے تفسیر قرآن کا ایک دستور العمل بنایا تھا جسے آپ کے ممتاز شاگرد مولانا عبدالسلام صاحب "مربعات" کا نام دیا کرتے تھے اور اس کی شرح کرتے ہوئے انہوں نے "تنشیط الاذہان" کے نام سے ایک بہترین کتاب مرتب کی۔

مصادر و مراجع

[1]۔ مولانا محمد طاہر پنج پیری ربیع الثانی 1334ھ بمطابق فروری 1916ء کو تحصیل صوابی کے پنج پیر نامی گاؤں میں پیدا ہوئے۔ پرائمری تک عصری تعلیم حاصل کرنے کے بعد دینی علوم کی طرف متوجہ ہوئے اور مختلف علمائے کرام سے دینی علوم حاصل کرنے کے بعد 1932ء کو مولانا حسین علی کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ ان سے تین ماہ قرآن مجید کی تفسیر پڑھنے کے بعد ان ہی کے مشورہ سے مولانا نصیر الدین غور غوشتوی کے پاس دورہ حدیث کرنے کے لیے چلے گئے اور ایک سال میں دورہ حدیث کی تکمیل کی۔ یہاں سے واپس مولانا حسین علی کی خدمت میں واں بچھراں آئے اور ان سے صحاح ستہ کے مشکل مقامات پڑھ لیے اور ان سے بھی حدیث میں سند حاصل کی۔ اس کے ساتھ ساتھ ان سے علم فقہ اور تصوف کی اہم کتب بھی پڑھیں۔ اگلے سال شوال ۱۳۵۲ھ کو مولانا حسین علی نے آپ کو علوم عقلیہ کے شہرت یافتہ مدرس مولانا ولی اللہ صاحب کے پاس انہی بھیجا، جہاں ایک سال کے عرصہ میں آپ نے فنون کی کتابیں پڑھیں۔ اس کے بعد مولانا حسین علی نے آپ کو دار العلوم دیوبند میں مکرر طور پر دورہ حدیث پڑھنے کا مشورہ دیا۔ شوال ۱۳۵۳ھ کو آپ نے دار العلوم دیوبند میں داخلہ لیا اور شعبان ۱۳۵۴ھ کو دار العلوم دیوبند کے فاضل قرار پائے۔

فراغت کے بعد ایک سال منبع العلوم گلاوٹھی میں تدریس کی اور ایک سال بعد میانوالی میں مولانا حسین علی کے حکم پر تدریس شروع کی۔ 1936ء میں حج کے لئے تشریف لے گئے اور وہاں مولانا عبید اللہ سندھی سے آپ نے ان کے انقلابی طرز پر قرآن مجید کی تفسیر پڑھنے کے علاوہ ان سے شاہ ولی اللہ دہلوی، شاہ عبد العزیز، شاہ رفیع الدین اور شاہ اسماعیل شہید کی کتابیں درساً پڑھیں۔ حرمین شریفین سے واپسی پر آپ نے اپنے علاقے میں دعوتی زندگی کا آغاز کیا اور لوگوں کے عقائد کی تصحیح اور ان کے اعمال کی اصلاح میں مشغول ہو گئے۔

1957ء میں مولانا حسین علی کے تلامذہ سے مل کر جمعیت اشاعت التوحید والسنۃ کی بنیاد رکھی اور اس کے صوبائی امیر مقرر ہوئے۔ 1947ء کو دار القرآن پنج پیر کی بنیاد رکھی اور دورہ تفسیر کا آغاز کیا۔ تفسیری خدمات کا یہ سلسلہ آپ کی وفات تک جاری رہا۔ اپنی پوری زندگی درس و تدریس اور دعوت و اصلاح کے زریعے دین کی خدمت کرتے ہوئے 30 مارچ 1987ء کو اس دار فانی سے رحلت فرما گئے۔ شیخ القرآن پنج پیر، شیخ القرآن مولانا محمد طاہر پنج پیری، المتوفی 1987ء، بقیۃ الآثار، بقیۃ الآثار من الحیاۃ المستعار یعنی کتاب الابتلاء والمحنۃ فی اشاعۃ التوحید والسنۃ فی بلاد الافاغنۃ، پشاور، اشاعت اکیڈمی، ص: 20تا90۔

[2]۔ ڈاکٹر حبیب اللہ قاضی، برصغیر میں قرآن فہمی کا تنقیدی جائزہ، کراچی، زمزم پبلشرز، ص226تا 775۔

[3]۔ محولہ بالا، ص: 239۔

[4]۔ مفتی عبد الخالق آزاد، برصغیر میں تجدید دین کی تاریخ، ترجمہ: مولانا عبید اللہ سندھی، المتوفی 1944، التمہید لتعرف ائمۃ التجدید، لاہور، رحیمیہ مطبوعات، ص: 337

[5]۔ محولہ بالا، ص: 338،339۔

[6]۔ مولانا محمد عبد المعبود، سیرت و سوانح حضرت لاہوری، نوشہرہ، القاسم اکیڈمی، جامعہ ابوہریرہ، ص150۔

[7]۔ مفتی عبد الخالق آزاد، برصغیر میں تجدید دین کی تاریخ، ص196۔

[8]۔ مفتی محمد رضوان، مولانا عبید اللہ سندھی کے افکار اور تنظیم فکر ولی اللہی کے نظریات کا تحقیقی جائزہ، ص: 60۔

[9]۔ انٹرویو مفتی اکمل محمد سعید ادینوی، پنج پیر صوابی، مورخہ: 04/03/2018۔

[10]۔ ڈاکٹر حبیب اللہ قاضی، برصغیر میں قرآن فہمی کا تنقیدی جائزہ، ص: 371۔ مفتی سعید الرحمن، مقدمہ تفسیر المقام المحمود، غزنی مارکیٹ لاہور، مکی دار الکتب، ص: 60۔

[11]۔ مولانا محمد عبد المعبود، حیات و سوانح حضرت لاہوری، ص: 138۔

[12]۔ محولہ بالا، ص: 138۔

[13]۔ میاں محمد الیاس، سوانح مولانا حسین علی، پشاور، اشاعت اکیڈمی، محلہ جھنگی، ص: 129۔

[14]۔ ڈاکٹر سراج الاسلام حنیف، مقدمہ تسہیل بلغۃ الحیران، پشاور، اشاعت اکیڈمی، ص: 23،30۔

[15]۔ ڈاکٹر حبیب اللہ قاضی، برصغیر میں قرآن فہمی کا تنقیدی جائزہ، ص: 323۔

16۔ ڈاکٹر سراج الاسلام حنیف، تسہیل بلغۃ الحیران، ص126۔

17۔ علامہ محمد یوسف بنوری، یتیمۃ البیان، مقدمہ: علامہ انور شاہ کشمیری، مشکلات القرآن، ملتان، ادارہ تالیفات اشرفیہ، ص: 139، 140۔

18۔ میاں محمد الیاس، مولانا حسین علی کا قرآنی فکر، مشمولہ: تسہیل بلغۃ الحیران، پشاور، اشاعت اکیڈمی، ص:500 تا502۔

19۔ محولہ بالا، ص: 503۔

20۔ محولہ بالا، ص:504۔

21۔ محولہ بالا، ص: 505۔

22۔ محولہ بالا۔

23۔ محولہ بالا، ص: 506۔

24۔ شیخ القرآن پنج پیر، بقیۃ الآثار، ص: 35۔ رشیدی، فضل الرحمن، تفسیر تیسیر القرآن، افادات شیخ القرآن مولانا محمد طاہر پنج پیری، پنج پیر صوابی، مکتبۃ الیمان، ص: 74۔

25۔ فضل الرحمن رشیدی، تفسیر تیسیر القرآن، ص:81۔

26۔ شیخ القرآن پنج پیر، بقیۃ الآثار، ص: 89، 90۔

27۔ فضل الرحمن رشیدی، تفسیر تیسیر القرآن، ص: 85۔

28۔ محولہ بالا، ص: 86۔

29۔ امام مسلم، مسلم بن الحجاج القشیری، التوفی 261ھ، صحیح مسلم، بیروت، دار احیاء التراث العربی ص:323، ج:1۔

30۔ انٹرویو مولانا تاج اللہ صاحب، دار العلوم سعیدیہ اوگی، مورخہ:05/05/2018

31۔ فضل الرحمن رشیدی، تفسیر تیسیر القرآن، ص: 94۔

32۔ محولہ بالا، ص:29، 94۔

33۔ فضل الرحمن رشیدی، تفسیر تیسیر القرآن، ص:29۔

34۔ انٹرویو مولانا تاج اللہ صاحب، دار العلوم سعیدیہ اوگی، مورخہ:05/05/2018۔ انٹرویو مولانا غنی احمد صاحب، دار العلوم سعیدیہ اوگی، مورخہ:05/05/2018۔

35۔ انٹرویو قاری شاد محمد صاحب، دار العلوم سعیدیہ اوگی، مورخہ:05/05/2018۔

36۔ میاں محمد الیاس، حیات شیخ القرآن، شیخ القرآن مولانا محمد طاہر پنج پیری حیات وخدمات، پشاور، اشاعت اکیڈمی، حیات شیخ القرآن، ص: 26، 241۔

37۔ محولہ بالا، ص: 241۔

38۔ فضل الرحمن رشیدی، تفسیر تیسیر القرآن، ص:88، انٹرویو مفتی اکمل محمد سعید ادینوی، پنج پیر صوابی، مورخہ:04/03/2018۔

39۔ ڈاکٹر ثناء اللہ، نظم وربط قرآن کریم کی اہمیت، علم تفسیر میں نظم وربط قرآن کریم کی اہمیت اور تاریخی پس منظر، پشاور، اشاعت اکیڈمی، ص: 63۔

40۔ شیخ القرآن پنج پیر، درس قرآن، غیر مطبوع تفسیر، دورہ تفسیر، 1983ء، ص:1، ج:1۔ فضل الرحمن رشیدی، تفسیر تیسیر القرآن، ص137، 181۔

41۔ فضل الرحمن رشیدی، تفسیر تیسیر القرآن، ص: 145۔

42۔ عزیز الرحیم حقانی، شیخ القرآن کی علمی و تفسیری خدمات، شیخ القرآن مولانا محمد طاہر پنج پیری کی علمی و تفسیری خدمات، مقالہ ایم فل علوم اسلامیہ، پشاور یونیورسٹی، غیر مطبوع، ص: 153۔ شیخ القرآن پنج پیر، العرفان فی اصول القرآن، صوابی، پنج پیر، مکتبۃ الیمان، ص:124۔

43۔ ہدایت اللہ چغرزئی، شیخ القرآن کے درس قرآن کریم پر ایک مختصر تبصرہ، ص:23۔

44۔ محمد مطہر، شیخ القرآن پنج پیر، افکار و آثار، پنج پیر صوابی، مکتبۃ الیمان،، ص: 37۔

[45]۔ سورۃ البقرہ، آیت: 3۔ شیخ القرآن پنج پیر، درس قرآن، ص: 21، ج: 2۔

[46]۔ عزیزالرحیم حقانی، شیخ القرآن کی علمی و تفسیری خدمات، ص: 166۔

[47]۔ شیخ القرآن پنج پیر، درس قرآنی، ص: 45، ج: 4۔

[48]۔ عزیزالرحیم حقانی، شیخ القرآن کی علمی و تفسیری خدمات، ص: 170۔

[49]۔ سورۃ النساء، آیت: 60۔

[50]۔ راغب اصفہانی، ابوالقاسم حسین بن محمد، المتوفی 502ھ، المفردات فی غریب القرآن، دمشق، دار القلم، ص: 521، ج: 1۔

[51]۔ شیخ القرآن پنج پیر، درس قرآن، ص: 100، ج: 4۔

[52]۔ شیخ القرآن پنج پیر، درس قرآن، ص: 109، ج: 4۔

[53]۔ شیخ القرآن کے درس میں اعتبار و تاویل کا اس طرح استعمال کثیر الوقوع ہے (مقالہ نگار)

[54]۔ شیخ القرآن پنج پیر، درس قرآن، ص: 290، ج: 11۔

[55]۔ علامہ آلوسی، شہاب الدین محمود بن عبداللہ، المتوفی 127ھ، روح المعانی، روح المعانی فی تفسیر القرآن العظیم والسبع المثانی، بیروت، دار الکتب العلمیہ، ص: 198، ج: 10۔

[56]۔ شیخ القرآن پنج پیر، درس قرآن، ص: 97، 98، ج: 9۔

[57]۔ سورہ یوسف، آیت: 50۔

[58]۔ شیخ القرآن پنج پیر، درس قرآن، ص: 110، ج: 7۔

[59]۔ المرغینانی، علي بن أبي بكر بن عبد الجليل الفرغاني المرغيناني، أبو الحسن برهان الدين، المتوفی 593ھ، الہدایہ، الہدایۃ فی شرح البدایۃ، کراچی، قدیمی کتب خانہ، ص 201، ج 1، شیخ القرآن پنج پیر، درس قرآن، ص: 124، ج: 9۔ عثمانی، مفتی محمد تقی، آسان ترجمہ قرآن، کراچی، مکتبہ معارف القرآن، ص: 761۔

[60]۔ سورہ قصص، آیت: 38۔

[61]۔ شیخ القرآن پنج پیر، درس قرآن، ص: 125، 126، ج: 9۔

[62]۔ سورہ اعراف، آیت: 190۔

[63]۔ امام احمد، ابوعبداللہ احمد بن محمد بن حنبل، المتوفی 241ھ، مسند احمد، مسند الامام احمد بن حنبل، بیروت، مؤسسۃ الرسالۃ ص: 305، ج: 33۔

[64]۔ امام ترمذی، محمد بن عیسی بن سورہ الترمذی، المتوفی 279ھ، جامع الترمذی، الجامع الکبیر، بیروت، دار العرب الاسلامی ص: 267، ج: 5۔

[65]۔ شیخ القرآن پنج پیر، درس قرآن، ص: 81، ج: 6۔

[66]۔ انٹرویو مولانا عبدالقیوم عرف صاحب حق، پیرہاڑی، بٹگرام، مورخہ، 05/04/2018۔

[67]۔ شیخ طیب طاہری، ماہنامہ توحید و سنت، شمارہ اگست 2009ء، ص: 29تا33۔

[68]۔ لطف اللہ قاری محمود شاہ، جھود الشیخ عبد السلام الرستمی فی التفسیر، مقالہ ایم فل علوم اسلامیہ، اسلام آباد، بین الاقوامی یونیورسٹی۔